یادگارِ زمانہ شخصیات

کا

اَحوالِ مُطالعہ

دُنیائے اِسلام کی 80 سے زیادہ مشہورِ زمانہ علمی شخصیات و اَہلِ قلم کے مُطالعہ اور علمی سفر کی دِل نشین روداد، نئی نسل کے لیے مُفید کتابوں کے اِنتخاب اور مُطالعاتی زِندگی کی رہنمائی پر مشتمل مُدیر ماہنامہ النخیل کراچی کے سوال نامے کے جواب میں لکھی گئی ناقابِلِ فراموش تحریروں کا سدا بہار مجموعہ

مُدیر: ابنُ الحسن عبّاسی

مکتبۃ النور دیوبند

9456422412, 9045909066

فہرست

علمی سفرنامے کی روداد

شیخ الحدیث مفتی زرولی خان☆
بانی جامعہ عربیہ احسن العلوم، کراچی

ابتدائی حالات

اس عاجز وفقیر کا تولد غالباً ۱۹۵۳ء کے کسی ماہ وتاریخ کو جہانگیرہ میں ہوا ہے۔ علاقائی رسم ورواج کے مطابق باقاعدہ تاریخ ولادت کے رواج نہ ہونے کی وجہ سے متعین دن اور مہینہ نہیں بتایا جاسکتا، تاہم آس پاس کے قرائن اور احوال اور اوائل تعلیم وتعلّم اور اسکول وغیرہ کی مناسبت سے یہی سال معلوم ہوتا ہے۔ والد صاحب کا نام محمد عاقل اور دادا کا نام عمر دین تھا، خاندانی پیشہ باغبانی رہا ہے، آباؤ اجداد کا شغل زراعت تھا۔ حسنِ اتفاق سے دنیائے حدیث کے مقتدر امام، امام ترمذی رحمہ اللہ بھی بوغی تھے جو کہ باغبانی کے معنی میں آتا ہے۔ (بستان المحدثین)

والدہ صاحبہ کا تذکرہ

والدہ صاحبہ علاقہ کے مشہور عالم استاد الکل فی الکل حضرت مولانا فضل علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام وخطیب جامع مسجد خانخیل جیسے یگانہ روزگار سے بارہ سال وہاں کا رائج علمی نصاب پڑھ چکی تھیں۔ والدہ صاحبہ کے علم اور پختگی کا اندازہ اس سے لگایا جائے کہ ہم سب بھائیوں کو جنازہ اور اس کی نیت عربی میں والدہ نے زبانی یاد کرائی تھی، جبکہ خاتون پر خود جنازہ نہیں ہے، حافظہ قرآن نہ ہونے کے باوجود ہمہ وقت قرآن کا

☆سنِ پیدائش: ۱۹۵۳ء، آبائی وطن: جہانگیرہ، صوابی (خیبر پختونخواہ)، مادرِ علمی وفراغت: جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، فراغت: ۱۹۷۸ء، تصانیف: احسن الرسائل (۱۰ مختلف علمی رسائل کا مجموعہ)، احسن الخطبات (۳ جلدیں)، احسن البرھان وغیرہ، مناصب: بانی ومہتمم وشیخ التفسیر وشیخ الحدیث جامعہ احسن العلوم، کراچی، مدیر اعلیٰ ماہنامہ الاحسن، کراچی

شغل تھا اور آس پاس قرآن کی تلاوت سن کر بغیر روک ٹوک کے تصحیح کے لئے آواز دیتی تھیں اور یہ اس قدر حیران کن اور پختگی کے ساتھ ہوتا تھا، جیسے وہ مطلوبہ آیت وسورت دیکھ کر بتاتی ہوں جبکہ یہ ان کا عام معمول اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے تھا۔ والدہ صاحبہ جہانگیرہ کے علماءِ کبار کے تذکرے ایسی عظمت اور محبت سے فرماتیں کہ وہی علم دین پڑھنے کی رغبت وشوق کا اساس ثابت ہوا۔ حضرت اقدس مولانا لطف اللہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ کے تذکرے میں یہ ضرور فرماتیں تھیں کہ وہ دیوبند پاس ہیں اور یہ اس شان واحترام سے فرماتی تھیں جیسے آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر اس سے بڑی عزت اور شرافت کوئی اور نہیں، یوں دیوبند کے علماء اور خود دیوبندیت سے عقیدت ومحبت خون اور فطرت میں شامل ہوگئی ”**والحمدللہ علی ذالک**“۔

دینی مسائل اس قوت کے ساتھ یاد ہوتے تھے کہ اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگایا جائے۔ مشہور زمانہ عالم شیخ القرآن مولانا طاہر صاحب پنج پیر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام کا ڈپٹی کمشنر کی موجودگی میں مناظرہ ہوا، والد صاحب نے گھر آکر سنایا۔ والدہ نے پوچھا کہ پنج پیر مولانا کیا فرماتے ہیں یعنی کس مسئلہ پر مناظرہ ہوا؟ والد صاحب نے فرمایا: کہ پنج پیر مولانا مُردوں کے پیچھے خیر خیرات کرنے سے منع کرتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنا عمل کام آئے گا۔ والدہ نے فوراً رشید البیان کا شعر پڑھا اور فرمایا کہ یہ عالم بالکل غلط کہتا ہے:

چہ خیرات ور پسے کی گی ہر مردہ تا ور رسیگی　　　ثوک چہ وائی نہ رسی گی دغہ کفر تا خوئی گی

یعنی مرحوم کے لئے ایصال ثواب درست ہے اور اس کا انکار کرنا غلط ہے، بعد میں امام اہل سنت ابوالمظفر ابواسحاق اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر متکلمین کے کلام میں دیکھا کہ واقعی ایصال ثواب کا انکار سوائے معتزلہ اور خوارج کے کسی اسلامی فرقے نے نہیں کیا ہے۔ تفصیلات کے لئے **شرح المواقف** اور **شرح المقاصد** اور **اصول فخری** وغیرہ قابل دید ہیں۔ (واضح رہے کہ پنج پیر مولانا کے بارے میں اس قسم کے مسائل مشہور تھے بعد میں حضرت کی جملہ تصنیفات اور ان کے دورۂ تفسیر کے کل ۸۸ کیسٹس سننے سے پتہ چلا کہ اہل سنت والجماعت اور دیوبندی نظریات کے سخت پابند اور بڑی قوت سے اس کے عالم اور عامل تھے)۔

برا ہو اختلافات کا کہ کیسے کیسے الزامات اور تہمتیں پراپیگنڈہ کی شکل اختیار کر لیتی ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت کی تحریک میں شدت یا بعض مسائل پر ان کے یک طرفہ موقف اختیار کرنے میں حدود اعتدال سے تجاوز ہو چکا ہے۔

ناظرہ قرآن کریم ایک بزرگ معلم ماسٹر رحیم اللہ صاحب سے پڑھا تھا جو کہ غالباً اسکول میں حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حاجی سیف الرحمن اور استاد گرامی قدر مولانا عبدالحنان صاحب مدظلہ کے

استاذ رہ چکے تھے۔ ماسٹر رحیم اللہ صاحب بہت طویل عمر کے مالک تھے اور بہت بعد میں انتقال فرما گئے۔

استانی صاحبہ کا تذکرہ

استانی صاحبہ نہایت متدین اور احتیاط دین کا نمونہ تھیں، ماسٹر صاحب کی اہلیہ اپنے زمانہ کی بی بی مریم تھیں، ہندوستان سے مہاجر تھیں، بڑی مشکلات سے پشتو زبان سیکھی تھی، سوڈیڑھ سو بچیوں کو ماسٹر صاحب کی نیابت میں اپنے گھر پر بغیر کسی معاوضہ کے قرآن شریف پڑھاتی تھیں اور ہر بچہ اور بچی کو سبق پڑھاتے ہوئے یا ان کا سبق سنتے ہوئے استانی صاحبہ کے چہرے پر آنسوؤں کی بارش رہتی تھی۔ یوں صبح سے شام تک بچوں اور بچیوں کے اسباق اور گھریلو کام کاج اور چہرے پر معصومانہ اور خوف خدا کا مظہر آنسوؤں کا سیلاب امڈا رہتا تھا۔ ہم حیران تھے کہ یہ اتنا روتی کیوں ہیں؟، استاذ صاحب سے پتہ چلا کہ انہوں نے قرآن شریف بہت مشکلات سے پڑھا ہے اور خدا کی کتاب سے کامل عقیدت کی وجہ سے سبق پڑھاتے ہوئے یا بچوں سے سنتے ہوئے وہ دقت وگرانیاں یاد آتی ہیں جو برسات غم کا باعث ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا احسان الحق (صاحبِ حق) صاحب کا تذکرہ

محلہ کی جامع مسجد میں حضرت مولانا احسان الحق صاحب المعروف بہ صاحبِ حق صاحب جو شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا فضل علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے، موصوف اپنے والد کی طرح علوم کے شناور تو نہ تھے مگر جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک اور استاد گرامی قدر مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ضروری اسباق پڑھ چکے تھے۔ دیوبند بھی جانا ہوا تھا لیکن اس میں کامیابی نہیں ہوئی جس کی داستان درد وغم کی ہے۔ موصوف نہایت ہی خوش الحان تھے، نمازِ فجر کی اذان اہتمام کے ساتھ آپ خود دیا کرتے تھے اور اکثر نمازوں کی قرأت بھی سننے کی ہوتی تھی، تجوید وقرأت کے مسائل وآداب سے بلند وبرتر یہ صوت جمیل اپنی نظیر آپ تھی، موصوف تقریر کے دوران بعض آیات یا شعر ایسے لہجے میں پڑھ لیتے تھے کہ ساری مجلس پر غیر معمولی اثر اور رقت طاری ہو جاتی تھی۔ میں نے ان سے قرآن کریم سولہ پارے اور سترہویں پارہ سورۂ انبیاء کا پہلا رکوع ترجمہ کے ساتھ پڑھا تھا۔ موصوف اپنے والد کی مناسبت سے فارسیات میں کامل دسترس رکھتے تھے۔

میں فارسی کی ابتدائی مشہور کتاب پنج گنج، فقہ میں خلاصۂ کیدانی اور قدوری حصہ اول انہی سے پڑھ چکا تھا۔ موصوف کی ایک بڑی بہن تھی جو گھر پر غیر شادی شدہ، اعلیٰ درجہ کی عفت و پاکدامنی کی مظہر تھیں، وہ علوم میں اپنے والد سے پوری پڑھی ہوئی تھیں۔ اوائل میں صاحبِ حق صاحب کو جمعہ اور عید کے خطبے وہی یاد کراتی تھیں، موصوفہ بعض اوقات مولانا موصوف کے مواعظ اور خطبے سن کر رد وقدح فرماتی تھیں، میری والدہ ماجدہ فرمایا کرتی تھیں کہ کاش کہ استاد صاحب کی یہ بیٹی استاد صاحب کا بیٹا ہوتا تو کامل واکمل جانشین ہوتی ے

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

تذکرہ مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس عاجز نے نورالایضاح جو ہمارے زمانہ میں نئی نئی مصر سے پاکستان اور صوبہ سرحد جہانگیرہ آچکی تھی، وقت کے بزرگ اور کامل استاذ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ محلہ اعوان سے پڑھنا شروع کیا تھا ''زلۃ القاری'' تک پڑھ چکا تھا کہ موصوف بیمار ہوئے اور وہی بیماری موت کا سبب بن گئی۔

حضرت والا جہانگیرہ کے قدیم علمی گھرانوں کے چشم و چراغ تھے، عرصۂ دراز تک ہندوستان میں مدرسہ عبدالرب اور فتح پوری کے مدرسوں میں تحصیل علم کرتے رہے، غالباً فراغت مدرسہ رحیمیہ دہلی سے تھی جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یاد میں قائم ہوا تھا۔ مولانا عبداللطیف صاحب مرحوم فقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، علم الفرائض (میراث کے مسائل) میں امامت کا درجہ حاصل تھا جس کے متعدد واقعات فقیر کو یاد ہیں۔ موصوف کی طالب علمی کا دور اور حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ کی طالب علمی کا زمانہ دیوبند میں قریب قریب تھا، زمانہ طالب علمی میں دہلی میں ملاقاتیں بھی رہی ہیں۔ غالباً مولانا عبداللطیف صاحب مرحوم عمر میں کچھ بڑے بھی تھے۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد بلکہ ان کی بیماری میں ہی میں نے حضرت الاستاذ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ سے رجوع کر لیا تھا۔

تذکرہ فخر سرحد حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

موصوف علم و عمل کے پیکر، کردار و گفتار کے جامع، اللہ کے فضل سے گھر سے خاصے متمول اور دارالعلوم دیوبند کے قدماء فضلاء میں سے تھے جنہوں نے شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عمائدین سے ۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء کے آس پاس دورۂ حدیث مکمل کر کے اعلیٰ نمبروں میں فراغت اور فضیلت حاصل کی تھی۔ موصوف زمانہ طالب علمی سے تمام علوم و فنون میں کامل استعداد رکھتے تھے، باوجود یہ کہ کسی مدرسہ یا دارالعلوم میں باقاعدہ مدرس نہیں رہے لیکن فراغت سے لیکر تادم واپسیں جس نے جس کتاب کے پڑھانے کے لئے کہا حضرت نے بڑی خوش دلی سے اور سخاءِ قلب کے ساتھ اسے مستفید و مستنیر فرمایا ہے۔

آپ جمعیت علماء اسلام جو اہل حق کی واحد سیاسی جماعت ہے کے قدیم وفادار اور بطل حریت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ اور مفکر اسلام، فقیہ دوراں، محدث و مفسر اعلیٰ، آیت من آیت اللہ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے معتمد خاص رہے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانہ میں بعض اسباق میں برکت سرحد شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اکوڑہ خٹک کے ہم سبق رہے ہیں، مولانا عبدالحق

صاحب اپنے زمانہ میں بے مثال عالم باعمل تھے، آپ کی کرامات اور فیوض وبرکات دیدنی تھی۔ ایشیا کا مقتدر ادارہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک آپ کی زندہ تابندہ کرامت اور بہترین صدقہ جاریہ ہے، مولانا موصوف ہمارے حضرت والا کے بہنوئی تھے۔ زعیم ملت حضرت مولانا سمیع الحق صاحبؒ استادگرامی قدر مولانا عبدالحنان صاحب کے سگے اور سچے بھانجے تھے۔

حضرت مولانا عبدالحنان صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں اس عاجز نے تقریباً تین سال کسب فیض کیا ہے۔ اس دوران صرف ونحو، منطق اور ترجمہ قرآن دومرتبہ اور فارسی میں گلستان حضرت ہی سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ حضرت صاحب کے بے مثال تقویٰ اورخلوص تدریس اور کامیاب سلیقہ اور دار العلوم دیوبند کی مبارک نسبت کی وجہ سے آپ سے پڑھنے میں بڑی سہولت ہوئی اور میٹرک کے ساتھ ساتھ حضرت کے یہاں **کافیہ** تک اور صرف میں فصول اکبری اور شافیہ تک اور منطق میں **تھذیب** اور **بدیع المیزان** تک اور فقہ میں **شرح الوقایہ اولین** اور آخرین تک پڑھنا نصیب ہوا۔ حضرت نے **مفید الطالبین** مجھے پڑھائی جو ادب کی ابتدائی کتاب تو نہیں لیکن ابتدائی چٹ پٹے اور ظرافت کی حامل کتاب ضرور ہے، **مفید الطالبین** ختم ہونے کے بعد حضرت اپنے گھر سے **نفحۃ الیمن** لے آئے جو حضرت والا کو دارالعلوم دیوبند میں کسی امتحان میں امتیازی نمبروں میں پاس ہونے کے انعام میں ملی تھی۔(**نفحۃ الیمن** مدرسہ عالیہ کلکتہ میں انگریزوں کی نگرانی میں چلنے والے مدرسہ میں لکھی گئی تھی، اس کی ادبیت اور نظم ونسق معیاری ہے، بعد میں دارالعلوم دیوبند نے اس کے مقابلے میں **نفحۃ العرب** مولانا اعزاز علی صاحب سے لکھوائی۔) اگرچہ **نفحۃ العرب** کتاب دین ہونے کے علاوہ معیار علم وادب میں **نفحۃ الیمن** کے پائے کی ثابت نہ ہوسکی، البتہ دارالعلوم دیوبند کی حقانیت کی برکت سے وہ شامل درس رہی جبکہ **نفحۃ الیمن** کو مخصوص علمی حلقوں کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا۔

دادِ اورا قابلیت شرط نیست ۔۔۔۔۔ بلکہ شرط قابلیت دادِ اوست

بہرحال **نفحۃ الیمن** لاکر حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ اگرچہ ہمارے اور حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کے درمیان کچھ علاقائی اور سیاسی چپقلش رہتی ہے مگر حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علم ادب اور تاریخ وتفسیر میں اس زمانہ کے امام ہیں۔ لہٰذا آپ اُن سے علم ادب میں رجوع کرلیں، **مفید الطالبین** کے بعد بقیہ کتب ادب حضرت نے حضرت اقدس مولانا لطف اللہ صاحب سے پڑھنے کے لئے فرمایا۔

امام التاریخ حضرت مولانا لطف اللہ صاحبؒ کی خدمت میں میری حاضری

حضرت مولانا عبدالحنان صاحب نے **نفحۃ الیمن** دے کر حکم دیا کہ ظہر کی نماز میں حضرت مولانا

لطف اللہ صاحب کی مسجد میں آ ؤ اور اُن سے پڑھنا شروع کرو، میں جب وہاں پہنچا تو کچھ دیر گزرنے کے بعد حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب بھی وہیں تشریف لائے ، یہ آمد حضرت کی کافی دیر بعد تھی (کیونکہ کچھ شکر رنجی سی رہی تھی)۔نمازِ ظہر حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب نے خود پڑھائی اور نماز کے بعد حضرت معمولات سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا عبدالحنان صاحب نے اس عاجز کو اشارہ کیا کہ کتاب لے کر حضرت کے پاس جاؤ! میں کتاب لے کر حضرت اقدس کی خدمت میں جا بیٹھا اور میرے کچھ کہنے سے پہلے حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب نے فرمایا کہ: حضرت یہ پڑھنے والا لڑکا ہے، میں نے کچھ مبادی پڑھائے ہیں، اب اس قابل ہوا ہے کہ آپ کے سامنے بیٹھ سکے۔اسکول پڑھ رہا ہے اور اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتا ہے اور اپنے دین کا پورا پابند اور باذوق ہے، غریب گھرانے سے ہونے کے باوجود طلبِ علمی میں خوب ذوق وشوق رکھتا ہے۔حضرت اقدس نے حضرت مولانا عبدالحنان صاحب کے جملوں پر بغیر کچھ فرمائے خوشی کا اظہار فرمایا جو حضرت کے منور چہرے پر علمی تبسموں کے ایک موسم بہار کی طرح نمودار ہوا۔ یوں حضرت الاستاذ مولانا عبدالحنان صاحب اُٹھ کر چلے گئے اور میرا پہلا سبق جو تمام علوم وفنون اور آگے مراحلِ دین کے لئے اساس اور اصل الاصل تھا، وہ شروع ہوا۔

حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب نے **نفحة اليمن** کے ابتدائی اشعار میں ایک شعر کی تشریح میں اس عاجز سے سوال کیا جس پر اتفاقاً جواب درست منطبق ہوا۔حضرت بے انتہا خوش ہوئے اور فرمایا کہ: میں اِس دور کے بے ذوق لوگوں کو دیکھ کر پڑھانا چھوڑ چکا ہوں، لیکن آپ کا ذوق وشوق دیکھ کر شاید مجھے نئے سرے سے، پہلے سے بڑھ کر پڑھانا ہوگا، یہ سن کر یہ عاجز وفقیر نہایت شرمندہ ہوا کیونکہ حضرت کا دینی ودنیاوی مقام بہت بڑا تھا اور ہماری حیثیت اُن کے سامنے بحر بیکراں کے سامنے قطرہ اور گلزار ودبستان کے سامنے شاخ بے ثمر کی سی تھی۔

حضرت والا سے **کافیه** اور **شرح وقايه** کی تکمیل، علمِ معانی میں مشہور رسالہ **صمديه**، **نفحة اليمن** (مکمل)، **نفحة العرب**، **كفاية المتحفظ**، **الطريف لاديب الظريف** اور **مقامات** کے ابتدائی پانچ مقامے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آپ **نفحة العرب** کی عربیت پر ناراض رہتے تھے، آپ کو مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بالکل مناسبت نہ تھی، فرمایا کرتے تھے کہ یہ کتاب نہ لکھتے تو کم از کم دارالعلوم دیوبند اور شیخ الادب کا پردہ رہتا، کبھی فرماتے کوئی عرب دیکھ لے تو کیا سوچتا ہوگا، بہر حال **نفحة العرب** اللہ تعالیٰ کے یہاں سے قبولیت حاصل کر چکی ہے اور جس مقصد کے لئے لکھی گئی ہے یعنی **نفحة اليمن** کو میدان سے برطرف کرنا، اس میں

اللہ تعالیٰ نے سوفیصد کامیابی عطافرمائی، باقی بزرگانِ دین کے ذوق وشوق مختلف ہیں۔

تذکرہ امام التاریخ حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

استاذ گرامی حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام العصر محدث کبیر حضرت مولانا محمد انورشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد تھے اور غالباً ۱۹۲۷ء میں شاہ صاحب سے دیوبند میں دورۂ حدیث مکمل کر کے ہر کتاب میں اول پوزیشن حاصل کی تھی۔ آپ محدث العالم شارح بخاری و ترمذی علوم انورشاہ کے امین حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم میں ایک سال آگے تھے، جس سال آپ دورۂ حدیث میں تھے، یہ سال حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا مشکوٰۃ وغیرہ کا سال تھا۔ اگلے سال مشہور زمانہ اسٹرائک پیش آئی جس میں حضرت شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب اور دارالعلوم دیوبند کے لائق اساتذہ کی ایک جماعت دارالعلوم دیوبند چھوڑ گئی، یہ حضرت بنوری صاحب کے دورۂ حدیث کا سال تھا۔ اس لئے حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب ایک سال قبل دورۂ حدیث حضرت شاہ صاحب سے دارالعلوم دیوبند میں پڑھ کر فراغت حاصل کر چکے تھے۔

بعد میں حضرت بنوری اور حضرت مولانا لطف اللہ صاحب پشاوری برسہابرس اکٹھے رہے اور پھر کراچی میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے جب جامع مسجد نیوٹاؤن سے متصل مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کیا (حال جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) اپنے دیگر قابل ساتھیوں کے ساتھ پہلا انتخاب اپنے مدرسے کی تدریس کے لئے حضرت بنوری نے حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کیا۔ آپ اس کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ میں سات (۷) سال ساتھ رہا ہوں، سورۂ یوسف کی آیت ''سبع سنين دأبا'' پڑھتے تھے۔

حضرت الاستاذ مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: بخاری شریف بہت سے لوگ پڑھاتے ہیں مگر بخاری کے لئے بخاری کی ٹکر کا عالم چاہیے اور وہ عالمِ اسلام میں صرف مولانا محمد یوسف بنوری ہیں، آپ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے گہرے دوست بقول استاد محترم مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ: یارِ غار اور یارِ غربت تھے۔ جب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مراحل حیات مصائب وشدائد اور علمی صلاحیتوں کا ذکر فرماتے تو آپ پر رقت طاری ہوجاتی تھی اور بہت کم ایسا ہوا کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے میں آپ آبدیدہ نہ ہوئے ہوں۔

عجیب بات دیکھی کہ حضرت علمی صلاحیت کے ساتھ اُن کی طہارت وتقدس کے گرویدہ اور بعینہ یہی الفاظ حضرت بنوری رحمہ اللہ سے حضرت مولانا صاحب کے بارے میں سنے۔ گویا علم اور طہارت کے دو مینار تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے نابکاراؤں کو مستفید ہونے کی توفیق عطافرمائی۔

گرچہ خردیم ولے نسبت بزرگ داریم

احب الصالحین ولست منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

بہر حال حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھائی مکمل ہورہی تھی اور دوسری طرف میٹرک کے سالانہ امتحانات سے فراغت ہوئی۔ پڑھتے وقت حضرت صاحب نے کراچی حضرت بنوری کے مدرسے میں علوم کی تکمیل کا ارشاد فرمایا تھا مگر ہم دیہات والوں کے لئے یہ قدرے مشکل تھا۔

حضرت الاستاذ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا پہلی بار دیدار

حسنِ اتفاق سے کشمیر کے سردار عبدالقیوم خان نے راولپنڈی میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا یوسف بنوری صاحب اور غالباً حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب رحمۃ اللہ علیہم کو کشمیر میں آئین نافذ کرنے کے لئے خاکہ بنانے کے لئے طلب کیا تھا۔ راولپنڈی میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اطلاع ملی کہ اُن کے رفیقِ خاص اور اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل کے چھوٹے بھائی اور حضرت بنوریؒ کے مدرسے کے پہلے شیخ الحدیث مولانا نافع گل (عبدالحق نافع) سخت علیل ہیں اور پشاور جارہے تھے کہ راستے میں حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہن جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد کی والدہ کی وفات کی اطلاع ملی، حضرت پشاور جاتے ہوئے راستے میں تعزیت کیلئے نوشہرہ اترے۔ یہ دونوں بزرگ حضرات مجمع عام میں تشریف فرما تھے، کہ یہ عاجز وفقیر اپنے بزرگ مولانا محمد غلام صاحب کے ہمراہ تعزیت کے لئے نوشہرہ حاضر ہوا، میں جب پہنچا تو حضرت نے فرمایا: آؤ ہاتھ ملاؤ۔ یہ مولانا محمد یوسف صاحب ہیں آمد سے پہلے حضرت والا، حضرت بنوری سے بات کر چکے تھے۔ میں نے مصافحہ کیا اور قریبی چارپائی کے پائنتی کی طرف بیٹھ گیا، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ خاکی رنگ کی شیروانی زیب تن فرمائے ہوئے تھے اور نہایت بارونق بخاری ٹوپی پر سفید ململ کی باوقار پگڑی باندھے ہوئے تھے اور شان وشوکت کی لاٹھی ہاتھ میں تھی، چند قدم کے فاصلے پر حضرت کو پشاور لے جانے کے لئے عمدہ قسم کی کار جس کے ساتھ خدام کھڑے انتظار کررہے تھے بھی کھڑی تھی۔

اس عاجز کو دیکھ کر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: آپ اوائل شوال میں ہمارے یہاں داخلہ کے لئے آجایئے اور یوں جہانگیرہ سے کراچی حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسے، پاکستان کے دارالعلوم دیوبند اور وقت کے جامع ازہر اور ایشیاء کے لاثانی علم وعمل کے معدن میں آنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا۔

میری بنوری ٹاؤن میں حاضری

ہم صبح مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن داخلہ کے لئے روانہ ہوئے، وہاں پہنچ کر مولانا لطف اللہ اور قاری شیر افضل

مدظلہ ہم سے پہلے جا کر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بات کر چکے تھے، حضرت بنوری نے اُن حضرات کو جواب دے دیا تھا، میں جب پہنچا تو مولانا لطف اللہ صاحب مخصوص انداز میں چشمہ فریم سے پکڑ کر گھماتے ہوئے نیوٹاؤن کے گیٹ پر مجھے ملے اور بڑے افسوس سے معذرت کی کہ وہ تو آپ کو جانتے نہیں اور داخلے بند ہو چکے ہیں، پھر خود ہی فرمایا: آؤ ہاتھ ملالو بڑی بزرگ ہستی ہے۔

جب میں داخل ہوا تو حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے ہاتھ ملایا، حضرت نے فرمایا: داخلے بند ہو چکے ہیں، میں نے حضرت مولانا لطف اللہ صاحب جہانگیرہ والے بزرگ کا خط نکال کر اُن کے ہاتھ میں رکھا، حضرت نے خط دیکھتے ہی فرمایا: معاف کیجئے! معاف کیجئے! آپ کا داخلہ تو شعبان میں اِس مدرسہ کے بانی اور پہلے مدرس نے کرایا ہے اور بڑے دلکش اور باوقار لہجے میں فرمایا: اسمٰعیل بھائی صاحب جلدی فارم دیں اور تلطفاً ارشاد فرمایا کہ: اُس لطف اللہ کے ہوتے ہوئے، اِس لطف اللہ کی کیا ضرورت تھی۔ بہر حال داخلہ فارم لے کر بھر دیا گیا اور ہمارا داخلہ فارم برائے امتحان ایک استاد کے پاس پہنچ گیا۔

طرفہ تماشہ

اگلے دن امتحان مقرر ہوا مگر نمازِ فجر میں میرے ساتھ ایک شخص نماز میں کھڑا ہوا تھا جو مسلسل دانتوں سے بھورے نکالتا تھا۔ سلام پھیرنے پر میں نے اُن سے کہا: آپ نے نماز کے لئے کلی نہیں کی، اس لئے آپ کی نماز نہیں ہوئی اور آپ مسلسل عمل کثیر میں مبتلا ہیں، وہ چپ چاپ خاموشی سے سنتے رہے۔

دن کے دس (۱۰) بجے جب امتحان کیلئے پیش ہوا تو وہی شخصیت میری ممتحن تھی، اُنہیں دیکھ کر میں سہم گیا اور وہ بھی مجھے دیکھ کر بے طبع ہوئے اور فارم کو لے کر مجھے کہا کہ: ''فارم لے کر آپ کہیں اور چلے جائیں، میں آپ کا امتحان نہیں لے سکتا''۔ میں نے انہی سے گزارش کی کہ دوسرے ممتحن کا نام آپ لکھ دیں۔ انہوں نے منظور فرما کر حضرت مولانا محمد صاحب سواتی جو قدیم استاد ہیں اور دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سے فاضل ہیں، غالباً مشہور زمانہ، شیخ الکل فی الکل، جامع المعقول والمنقول، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا حمد اللہ صاحب ڈاگئی رحمہ اللہ اور مولانا محمد صاحب سواتی مظاہر علوم میں ہم سبق رہے ہیں۔ بہر حال اُن کے پاس میرا امتحان آیا، **کافیہ** میں مشہور مقام ''**والثالث ما اضمر عامله على شريطة التفسير**'' کی عبارت مجھ سے پڑھوا کر تشریح کرنے کا حکم دے دیا۔ اس عاجز کو کافیہ زبانی یاد ہے جو کتاب یاد ہو اس پر دسترس آسان ہوتی ہے، میں نے اس کی شرح میں ابن الانباری رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ اشعار بھی پڑھے۔ حضرت نہایت محظوظ ہوئے اور پوچھا کہ **کافیہ** اور **مقامات** کس سے پڑھی ہیں؟ میں نے حضرت اقدس حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کا نام بتایا، حضرت کا نام سن کر وہ اور بھی زیادہ خوش ہوئے اور فرمایا: وہ تو تاریخ اور

ادب کے امام ہیں اور میں نے تخصص فی الحدیث اُنہی سے کیا ہے اور مقدمہ ابن خلدون میں ہمارے عظیم اور مقتدر استاد تھے اور احتراماً فرمایا کہ حضرت الاستاذ کے شاگردوں سے میں مزید امتحان نہیں لیتا اور مجھے درجہ رابعہ کے بجائے درجہ خامسہ میں داخلہ دینے کا حکم دے دیا۔ میں نے عرض کیا کہ: میری شرح جامی اور نو الانوار جیسی اہم کتب رہ جائیں گی، اس لئے مجھے رابعہ ہی میں برقرار رکھئے۔

حضرت نے بھی میری درخواست پر خوشی کا اظہار فرما کر فرمایا: گاؤں سے نئے نکلے ہو، اس درجہ کے بیشتر اسباق پڑھ چکے ہو، اس لئے زیادہ پختہ رہ سکو گے۔

۶ شوال ۱۹۷۳ء کو کراچی میں میری آمد ہوئی اور ۷ شوال ۱۹۷۳ء کو میرا داخلہ درجہ رابعہ میں ہوا۔ و للہ الحمد اولاً و آخراً

یوں درجہ رابعہ، خامسہ، سادسہ، سابعہ اور دورۂ حدیث کی تکمیل ایشیاء کے اس مقتدر معدنِ علم میں خیر الرجال اور کامل علماء واولیاء کے استفادہ کے ساتھ مکمل ہوئے۔ گاہ گاہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے درسِ بخاری میں بیٹھنے کی کوشش کرتا تھا اور تقریباً بلا ناغہ شام کو کسی وقت رفیقِ محترم مولانا حافظ قاری مفتاح اللہ صاحب سے حضرت کے اسباق کے خصوصی نکات کا پتہ کرتا تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ بالھام خداوندی ''جو ہر کامل کو عمر اخیر میں ہوتا ہے'' کہ وہ دنیا سے جاتے جاتے بعض مفسدین جنہوں نے جادۂ حق سے ہٹ کر کام کئے ہیں، ان پر ردوقدح کر کے آگے بڑھے جیسے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کو اشارہ ہوا اور انہوں نے فتنہ مودودیت لکھی اور ان سے پہلے ان کے عظیم بزرگ روئے زمین کے کامل عالم اور اکمل ولی، شیخ الاسلام شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو ردمودودیت کا خاصا دھیان رہا تھا۔ جو ان کی تصنیفات، ایمان عمل اور مکتوبات سے ظاہر ہے اور ان کے رفیق شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے یکے بعد دیگرے، کئی رسائل مودودی صاحب کے رد میں لکھے (ملاحظہ ہو حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ- فتنوں کے تعاقب میں) اسی طرح بطل حریت شیر اسلام حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ من جانب اللہ اس فتنے کی سرکوبی میں پیش پیش تھے، اسی طرح حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عمر آخر میں **الاستاذ المودودی** کے نام سے مودودی صاحب کی تصنیفات میں بے راہ روی، جادۂ حق سے انحراف اور انبیاء علیہم السلام اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر قابل اعتماد بزرگوں کے بارے میں جس نازیبا روش کا مظاہرہ کیا ہے، وہ نا قابلِ تلافی جرم ہے اور جو ان کی مندرجہ ذیل کتب سے واضح ہے:

(۱) تفہیم القرآن (۲) تفہیمات حصہ دوم (۳) احیاء تجدید دین (۴) اور رسوائے زمانہ کتاب

''خلافت وملوکیت'' اوران کے رسائل ومسائل وغیرہ سے ظاہر ہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے تعاقب میں یکے بعد دیگرے تین یا چار رسائل ترتیب دیئے اور ان پر ان کے مطبوع سید قطب طٰہٰ حسین اور مفتی محمود شلتوت وغیرہ کے تعاقب میں خاص کر دنیائے عرب کو بیدار کرنے کے لئے الاستاذ المودودی لکھنے لگے۔ میں نے معتبر ذرائع سے سنا ہے کہ حضرت فرماتے تھے کہ: میرا یہ ارمان ہے کہ میں ایک کتاب لکھوں اور اس کا نام ہوگا (**صنمانِ یُعبدان فی الجزیرۃ**) یعنی جزیرۃ العرب میں دو آدمیوں کی پوجا، مودودی اور سید قطب کا)۔

کاش کہ حضرت کو فرصت حیات مل جاتی اور وہ اس ارمان کو پورا کر لیتے'' **وکم من حسرات فی بطون المقابر** '' حضرت کا کمال اخلاص تھا کہ کچھ مدت نہیں گزری تھی کہ جزیرۃ العرب کے علماء پر مختلف نواحی سے حقیقت مودودی کھل گئی اور رفتہ رفتہ ان کا وہ حال نہ رہا جو پہلے تھا گویا **صنمان یعبدان فی الجزیرۃ** کے عزم اور تخیل نے حضرت کا ارمان پورا کرایا۔

اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ وَ قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾

جامع مسجد احسن میں امامت وخطابت

جب یہ عاجز وفقیر جامع مسجد احسن میں بحیثیت امام وخطیب مقرر ہوا تو یہاں کی انتظامیہ میں ممتاز محمد بیگ صاحب صدر تھے، حاجی مقبول احمد صاحب خزانچی تھے، چوہدری محمد افضل اور حاجی نوراللہ شافعی ممبران تھے۔ یہ چار رکنی ارکان مسجد کے انتظام اور انصرام پر اثر انداز تھے اور مسجد میں مؤذن پنجاب سے منظور نام کا تھا جو مسجد کی خدمت بھی کرتا تھا، اذان بھی دیتا تھا اور امام کی عدم موجودگی میں نماز بھی پڑھا لیتا تھا۔ مسجد میں چند نمازی ہوتے تھے اور مسجد کے سامنے ایک ٹینکی تھی، اس پر ٹوٹیاں لگی ہوئی تھیں اور چاروں طرف کیکری جنگل تھا۔ لوگ طہارت کے لئے لوٹے میں پانی بھر کر اندر جاتے تھے، بعد میں میری آمد پر بیگ صاحب کے حکم پر بلاکوں کی ایک چار دیواری سی بنادی گئی جس میں صرف استنجاء اور ضروری طہارت ہوسکتی تھی، قضاء حاجت کے لئے پھر بھی کیکروں والے جنگل ہی جانا ہوتا تھا۔

۱۹۷۷ء میں میرے دورۂ حدیث کے سال جب حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اوران کے رفیق علم وعمل اور یارِ غار حضرت مولانا لطف اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو میرے ابتدائی اور بنیادی استاذ تھے اوران کی خواہش پر مجھے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کے مدرسہ بنوری ٹاؤن آنا پڑا تھا، وہ تشریف لائے، میرے استاذ ہونے کی وجہ سے میرے ساتھ رات کو جامع مسجد احسن تشریف لائے، حضرت کو جب طہارت خانے میں لے گئے تو حضرت یہ کہہ کر واپس تشریف لائے کہ وہاں تو سخت اندھیرا ہے اور

مجھے کچھ نظر نہیں آتا، ماچس کے ذریعے ان کی ضرورت پوری کر دی گئی۔

میری امامت اور خطابت شروع ہوئی، خدا تعالیٰ نے ابتداء سے لوگوں کو مسائل سمجھانے اور ان کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھانے کا خاصا سلیقہ دیا تھا اور اس طریقہ میں ہمیشہ سو فی صد کامیابی نظر آئی۔ میں عمومی نمازوں کے بعد کبھی کبھی فجر کے بعد اور کبھی عشاء کی نماز کے بعد کوئی ایک آیت یا حدیث شریف یا پھر کوئی فقہی مسئلہ بیان کرتا تھا، لوگ شوق سے سنتے اور بیٹھتے اور بیٹھنے والوں میں اور شوق سے سننے والوں میں حد درجہ لائق اور قدردان محترم ومکرم ممتاز محمد بیگ صاحب تھے۔

دورہ تفسیر کا آغاز

یہ بالکل ابتدائی ایام تھے اور شاید چند مہینے گزرے ہونگے کہ ایک نوجوان نہایت خوبرو صحت مند، اونچے قدوکاٹھ اور بہترین گھرانے کا لائق فائق، گو وہ کالج یا کسی کمپنی سے متعلق تھا لیکن علم کی قدر اور علماء سے خوشہ چینی اور ان کا احترام وادب کرنا، ان کی فطرت ثانیہ معلوم ہو رہی تھی، انہوں نے مجھ سے ترجمہ قرآن کی خواہش کی، میں نے منظور کی، وہ چھوٹے سائز کا قرآن مجید جس میں شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اور حاشیہ تھا، وہ لیکر مسجد میں دائیں طرف کونے پہ ایک تکونے، امام کی ضرورت کے لئے بنے ہوئے کمرے میں فجر کے بعد بلا ناغہ آتا تھا اور دو چار آیتیں ترجمہ وتفسیر پڑھ کر پھر میرے چائے بنانے یا میرا ناشتہ بنانے میں ایک چولہا سیٹ کرتا تھا، جس میں ایک ٹھیکری استعمال ہوتی تھی اور وہ ہر روز ٹوٹتی تھی۔

یہ ہمارے مخلص دوست اس عاجز وفقیر کے کائنات علم کا نقش اول اور اساس الخیر برادرم پروفیسر مزمل حسن صاحب تھے۔ جن کی تعلیم اور ابتدائی اخلاص اور اس عاجز سے انسلاک اور تعلق، ایک عظیم اور مقتدر باردار شجر مثمرہ بن کر آگے سامنے آیا کہ آج احسن العلوم پورے ملک میں علم وتحقیق کی کائنات میں تعداد اور استعداد، تعمیر وتعلیم میں اہل حق کا مقتدر مسلمہ ادارہ مانا جاتا ہے۔ مزمل بھائی اس کے طالب اول اور بعد میں اسکی تعمیر وتاسیس میں معمار اول کی حیثیت رکھتے ہیں۔

موصوف کشمیری النسل ہیں اور ان کے آباواجداد مقبوضہ کشمیر میں قدیم زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، بعد میں ان کا گھرانہ ہندوستان میں امرتسر اور پھر پاکستان بننے کے بعد پہلے پشاور کچھ عرصہ تک آباد رہے۔ مزمل بھائی کی پیدائش نانک پورہ پشاور کی ہے اور کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد ان کا گھرانہ کراچی منتقل ہوا، کراچی میں مختلف جگہ رہنے سہنے کے بعد میرے زمانہ گلشن میں یہ حضرات پانچ نمبر B/92 کے ایک بنگلے میں رہائش پذیر تھے، یہ ۴۰۰ گز پر ڈبل اسٹوری مکان تھا۔ مزمل بھائی اور اُن کے بڑے بھائی محترم تجمل صاحب اور چھوٹے بھائی مدثر اقبال ہر تینوں اس عاجز کے درس اور خدمت میں آتے رہتے تھے۔ بعد میں

پتہ چلا کہ ان کے والد صاحب خواجہ محمد حسن مرحوم جامع مسجد احسن کے صف اول کے نمازی تھے، یہ بزرگوں کا ایک نمونہ اور سلف صالحین کے طرز پہ ایک خاموش طبع عابد زاہد بزرگ تھے۔

مزمل بھائی جب ترجمہ پڑھنے لگے تو ایک دن میں نے ان سے کہا کہ اگر یہی ترجمہ آپ نماز فجر کے بعد مصلیٰ پر پڑھیں تو آپ کے ساتھ اور بھی کچھ لوگ قرآن مجید سے استفادہ کر سکیں گے اور یوں یہ دور کئی درس ترجمہ تفسیر جامع مسجد احسن کے مصلے پر بعد نمازِ فجر ہونے لگا۔ اب یہ وہ درس ہے جس میں چار پانچ ہزار علماء طلباء رجال اور نساء بلکہ Internet کے ذریعے تین لاکھ سے متجاوز حضرات بوقت تحریر مضمون ہذا اس سال کے ترجمہ وتفسیر میں شریک رہے ہیں۔

ترجمۂ قرآن جامع مسجد احسن کے مصلیٰ پر

ترجمہ فجر کے بعد جامع مسجد احسن کے مصلے پر شروع ہو گیا، تمام نمازی تپائیوں پر قرآن مجید کھول کر بیٹھتے تھے، ان میں محلے کے تبلیغی بزرگ خورشید احمد بٹ، خواجہ محمد حسن مرحوم کبھی کبھی حاجی نوراللہ، چودھری افضل، حاجی مقبول اور ممتاز بیگ صاحب اور ان کا بیٹا اطہر بیگ اور مزمل بھائی کے چھوٹے بھائی مدثر جو اس وقت اللہ کے فضل وکرم سے دل کے کامیاب سرجن اور لائق ڈاکٹر ہیں اور محمد ہمایوں کڑوا جو اس وقت Skin جلد کی ڈاکٹری کے آخری مراحل میں تھے اور ان کے بھائی محمد ہاشم اور زبیر اور ان کے والد بزرگوار تک محلے کے بیسیوں بزرگ اور جوان ترجمہ اور تفسیر میں شریک ہوئے۔

یہ درس بلا ناغہ روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ ہوتا تھا۔ جمعہ والے دن یا کسی بھی چھٹی کے دن یہ درس ڈیڑھ گھنٹہ اور پونے دو گھنٹہ تک رہا ہے اور جب تین سال کے عظیم عرصہ میں یہ درس مکمل ہوا تو سو (۱۰۰) کے قریب محلے کے بزرگ اور نوجوان اس میں شرکت فرماتے تھے۔

مزمل صاحب کے گھر پر یوم الجمعہ کو ترجمہ وتفسیر کی تکمیل کی خوشی میں ایک مقتدر دعوت ہوئی جس میں استاذ محترم حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے، آپ نے جمعہ کا خطاب فرمایا، خطبہ اور نماز پڑھائی اور نماز کے بعد ترجمہ وتفسیر کے پڑھنے والوں کے سروں پر شرف واعزاز کے رومال اور عمامے باندھے اور ان کو اور شرکت کرنے والے حضرات کو اعلیٰ نسخہ تفسیر شیخ الہند جسے تفسیر عثمانی کہتے ہیں، ھدایا میں تقسیم کر دی گئیں حضرت مفتی صاحب انتہائی محظوظ تھے اور فرمایا کہ:

> ''ہماری دانست میں اس کام کی مثال نہیں جس میں عوام کو قرآن مجید کا ترجمہ وتفسیر، فقہ کی کتاب نورالایضاح اور علامہ شمس الدین ذہبی کی الطب النبوی اور شیخ سعدی شیرازی کی گلستان اس شان وشوکت سے پڑھائی جاتی ہے یہ سب اللہ بزرگ وبرتر کا

احسان ہے''۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

تفسیر شیخ الہند کا تذکرہ

ہندوستان کے اکابر علماء میں سے حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، یہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور کامیاب مدرس تھے۔ کمالات علم میں فقیہ الہند مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے لائق فائق شاگرد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرح لائق ترین شاگردوں کی ایک جماعت دی تھی جن میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور بطل حریت مولانا عبیداللہ صاحب سندھی، مولانا محمد صادق کھڈوی اور اسیر مالٹا مولانا عزیر گل رحمۃ اللہ علیہم جیسے عمائدین اور اساطینِ علم تھے۔

حضرت شیخ الہند کے بڑے کارناموں میں دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم ادارے میں چشمہ فیض جاری کرنے کے علاوہ ہندستان سے انگریز کو نکالنے میں اور آزادی ہند کی تحریک چلانے میں آپ کی خدمات جلیل القدر ہیں۔ چنانچہ آزادی ہند کی تحریک کے نتیجے میں آپ شریف مکہ کی شرارت سے مکہ مکرمہ سے گرفتار کر لئے گئے اور مالٹا میں انگریز کے یہاں قید گزارنے لگے، اس قید و بند کے زمانے میں آپ کو یہ جامع فکر دامن گیر ہوئی کہ امت کو قرآن کی طرف متوجہ کرنا اور انہیں آپس کے اختلافات سے بچانا ضروری ہے تاکہ مسلمان متحد ہو کر انگریز کو ہندوستان سے نکال دیں۔

چنانچہ آپ نے قرآن مجید کا مکمل ترجمہ اور اس کی تفسیر لکھنے کا اہتمام فرمایا، ترجمہ تو پورا ہو چکا ہے البتہ تفسیر سورہ فاتحہ، سورہ بقرہ اور سورۃ النساء کی مکمل ہو چکی تھی، آل عمران کی تفسیر ضائع ہو چکی ہے، یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کا حسین قالب اور عمدہ ترجمانی ہے کیونکہ شاہ عبدالقادر رحمۃ للہ علیہ کا ترجمہ علی التحقیق اردو زبان کا پہلا ترجمہ ہے اور بحکمت تکوینی وہ قرآن کا فصیح بلیغ قواعد عربیہ کے مطابق اور ہر طرح مکمل اور بہترین ترجمہ واقع ہوا ہے جیسا کہ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے خود مقدمہ فوائد میں لکھا ہے لیکن زمانہ کے گزرنے سے اس اردو کے بعض اطراف متروک ہو گئے اور ان کے جاننے میں بعد والوں کو دقت پیش آئی۔

دوسری طرف خود دہلی میں بعض ایسے تراجم ہوئے جن میں علمی اور فنی غلطی پائی گئی، ان کی اصلاح اور تنقیح بھی ضروری تھی جن کو حضرت شیخ الہند تراجم دھلویہ سے یاد کرتے ہیں اندریں حالات حضرت شیخ الہند کا

ترجمہ اور تین سورتوں پر فوائد تفسیر اپنی مثال آپ ہے، کاش کوئی اردو دان یا لائق عالم اسے توجہ اور التفات سے مطالعہ کرے تو اسے اندازہ ہوگا کہ کتنے قیمتی یواقیت اور لعل اس میں پروئے گئے ہیں، خاص کر فوائد تفسیر ربط بین الایات امام رازی رحمہ اللہ کا ہم پلڑہ اور اکثر جگہ ان سے بہتر واقع ہوا ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾

سورۂ آل عمران اور مائدہ سے آخر قرآن تک تفسیر کا تکملہ حضرت شیخ الہند کے مایہ ناز شاگرد اپنے وقت کے محدث، مفسر، متکلم اور خطیب پاکستان سابق شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکمل کیا ہے، جو اپنے شیخ کے نقش ثانی اور ان کے علوم و کمالات کے سچے جانشین اور یادگار تھے یہ تکملہ فوائد تفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے اپنے استاذ حضرت شیخ الہند کے فوائد کے لئے لکھا ہے۔

اس لئے اس تفسیر کا نام تفسیر شیخ الہند موزون ہے، اس کو تفسیر عثمانی کہنا موضوع سے بے خبری، آداب سے بے بہری اور نہایت نامناسب اقدام ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۴۴﴾

نماز عصر کے بعد درس تفسیر کا آغاز

محمد علی نام کا ایک Student کالج کا شوق و ذوق سے مسجد میں آنے لگا تھا ایک دن اس نے پوچھا کہ ایسی کوئی کتاب بتا دیں جس کے پڑھنے سے ایمان مضبوط ہو جائے، تو میں نے کہا کہ وہ کتاب قرآن کریم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ھدی للمتقین اور ھدی للناس بنا کر بھیجا ہے، محمد علی نے خواہش ظاہر کی کہ اگر فجر کے علاوہ اور کوئی وقت ہو تو میرے ساتھ بہت سارے کالج کے لڑکے بھی ترجمہ اور تفسیر پڑھنے کے لئے تیار ہیں، چنانچہ اس کے لئے نماز عصر کے بعد ترجمہ و تفسیر پڑھانا تجویز ہوا کیونکہ فجر کا درس ایک عالمگیر درس بن چکا تھا اور اس میں شرکاء کی تعداد سو (۱۰۰) کے قریب ہو چکی تھی، اس لئے ان کالجی لڑکوں کے لئے عصر کے بعد قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پڑھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ یہ درس بھی نہایت ہی آب و تاب سے شروع ہوا اور ان Student کے علاوہ نمازی حضرات بھی معمول کے مطابق بیٹھنے لگے اور نماز فجر والے درس کی طرح تپائیاں بچھیں اور سب کے سامنے قرآن مجید رکھا جاتا اور ہر شخص قرآن مجید کھول کر سبق پڑھنے کی طرح اس کی پابندی کرتا۔ یہ درس تقریباً دس برس جاری رہا اور دس سال میں تین مرتبہ ختم ہوا۔

محمد علی کے علاوہ ڈاکٹر اویس، معظم علی، امتیاز صدیقی، محمد احمد، ایاز، سید صبا احسن مرحوم (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور صبح کے درس میں سے اطہر بیگ اور ڈاکٹر مدثر وغیرہ نمایاں شرکاء میں سے تھے جو کہ اس درس میں بھی شریک ہونے لگے۔

واضح رہے کہ نماز عشاء کے بعد نورالایضاح اور علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ کی **الطب النبوی** کا بھی درس ہوتا تھا۔ جس میں صبح کے درس والے اور عصر کے درس والے سب با قاعدہ شریک ہوتے تھے۔ ان درسوں کی برکت سے معظم علی کو مفتی کہا جاتا تھا کیونکہ اس کو فتاویٰ بہت اچھے یاد تھے اور اس کے لئے فتاویٰ رشیدیہ، امداد الفتاویٰ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند قدیم وہ ہمہ وقت مطالعہ کرتا تھا اور پیش آنے والے سوال کا تسلی بخش جواب دیتا۔ جبکہ ڈاکٹر اویس سب میں کم عمر طالب علم تھے اور وہ نورالایضاح زبانی یاد کرتے تھے، نورالایضاح کی نہایت مشکل اور طویل عبارات اس کی نوکِ زبان پر ہوتیں اور یہ سب درس کے ذوق وشوق کے نظارے تھے ۔

یہاں تک بڑھ گئے وارفتگئ شوق کے نظارے حجابات نظر سے پھوٹ نکلا حسن جانانا

یہی لڑکے باقاعدگی سے اکثر نمازوں میں شریک ہوتے تھے، رمضان شریف کے آخری عشرے میں اس عاجز وفقیر کے ہمراہ اعتکاف کرتے تھے اور رائیونڈ کے سالانہ تبلیغی اجتماع میں ساتھ جاتے تھے۔ کیونکہ اس طرح ان کی تربیت اور اصلاح مقصود تھی، وقتاً فوقتاً مناسب اور موزون کتب بھی تقسیم ہوتی تھیں۔ چنانچہ فضائل صدقات اور تبلیغی نصاب کے علاوہ محقق العصر حضرت مولانا سرفراز خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بیشتر کتب جیسے راہ سنت، تسکین الصدور، عبارات اکابر، گلدستہ توحید اور سوانح مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور شوقِ حدیث وغیرہ، ان کو مختلف اوقات میں ہدایا میں دی جاتی تھیں۔

''وفی ذلک کفایۃ لمن کان طالباً للحق''

☆......**پسندیدہ کتب:** تفسیر روح المعانی، بیان القرآن، فتح الباری، فتاوی شامی پسندیدہ کتابیں ہیں۔

☆......کوئی مخصوص وقت نہیں ہے، جب دل چاہتا ہے یا ضرورت محسوس ہوتی ہے تو مطالعہ کرتا ہوں۔ ضروری کتب پلنگ کے ساتھ سرہانے ہی موجود رہتی ہیں۔ دورانِ سفر بھی ضروری کتب ساتھ ہوتی ہیں۔

☆......کتاب کی اپنی ایک برکت ہے، آج کل سنا ہے کہ لوگ نیٹ کے ذریعہ کتب بینی کررہے ہیں، یہ انتہائی غلط ہے اور مطالعہ کی روح سے بغاوت ہے، اس میں احتیاط ضروری ہے۔ پورے دن میں مطالعہ کا کوئی نا کوئی وقت ضرور مقرر ہونا چاہئے۔

علماء کے لئے ضروری ہے کہ **فتاوی شامی، تفسیر روح المعانی** اور **فتح الباری** کو ہر وقت اپنے مطالعہ میں رکھیں ساتھ ساتھ دیوانِ حافظ وغیرہ بھی دیکھیں، علم کی پختگی کے لئے فارسی میں ماہر ہونا بھی ضروری ہے۔